عدل الٰہی کی حقیقت

ثاقب اکبر *
ukhuwat@gmail.com

"عدل" اور "قسط" جیسے الفاظ قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر استعمال ہوئے ہیں۔ عدل قائم کرنا "توازن" برقرار رکھنے کے معنی میں آتا ہے۔ "عدل" قرآن حکیم میں معاوضے یا زرتلافی کے معنی میں بھی آیا ہے۔ بعض نے عدل کا "معنی فدیہ" لکھا ہے، عدل کا معنی اس سے بالکل برعکس بھی ہے۔ "عدل کرنا" پلٹ جانا، ترک کر دینا یا چھوڑ دینا کے معنی میں بھی آتا ہے۔ قرآن حکیم میں بھی عدل اور قسط کو ساتھ ساتھ استعمال کیا گیا ہے۔ اردو زبان میں کلمہ "انصاف" بھی عموماً اسی معنی میں استعمال ہوتا ہے جسے انگریزی میں Justice کہتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عدل کے مختلف معانی ہیں اور مختلف مصادیق ہیں۔ زیر بحث موضوع کے حوالے سے یہ سوال بنیادی ہے کہ خدا کے عادل ہونے سے کیا مراد ہے؟ اس کی وضاحت سے پہلے عدل کے مختلف معانی بیان کرنا ضروری ہیں:

ایک معنیٰ کائنات اور اشیاء کا توازن، دوسرا معنیٰ مساوات و برابری، عدل کا ایک معنی صاحب حق کو اس کا حق دینا ہے۔ اس معنی میں عدل ظلم کے بالمقابل ہے۔ البتہ ہم کہہ چکے ہیں کہ تخلیق کائنات میں توازن کا موجود ہونا ایک حقیقت ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ تناسب اور توازن خود اپنی تخلیق میں رکھا ہے، انسان کی ذات میں یہ توازن رکھا ہے اور کائنات کے اندر بھی یہ توازن موجود ہے۔ یہاں عدل کے مفہوم میں جس چیز سے اللہ تعالیٰ کی نفی کی گئی ہے اس میں کائنات اور مخلوقات میں موجود توازن کا مفہوم شامل نہیں ہے۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ عدل الٰہی کا مفہوم اس سے وسیع تر ہے۔ اب یہ سوال کہ اللہ کے عادل ہونے سے مراد کیا ہے۔

اس سلسلے میں استاد مرتضٰی مطہری نے بہت عمدہ کلام کیا ہے، اُن کے مطابق: " عدل الٰہی سے مراد ہے افاضۂ وجود کے سلسلے میں استحقاقات کا خیال رکھنا اور اس موجود سے فیض و رحمت کی ممانعت اور دریغ نہ کرنا کہ جس کا وجود میں آنا یا کمال وجود تک پہنچنا ممکن ہو۔ فیض حاصل کرنے کی قابلیت کے لحاظ سے ہر موجود وہ کسی بھی مرتبے پر ہو ایک خاص استحقاق رکھتا ہے۔ ذات مقدس حق جو کمال مطلق، خیر مطلق اور فیاض علی الاطلاق ہے۔ وہ ہر موجود کو جو کچھ بھی اس کے لیے وجود اور کمال وجود کے لحاظ سے ممکن ہے عطا کرتا ہے اور اس کے عطا میں دریغ نہیں کرتا۔

"عدل الٰہی" کے موضوع پر بات کرنے سے پہلے دو لفظوں کے بارے میں جاننا ضروری ہے۔ ایک "عدل" اور دوسرا "قسط"۔ یہ دونوں الفاظ قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر استعمال ہوئے ہیں۔ بعض اہل لغت نے دونوں لفظوں کو ایک دوسرے کا مترادف لکھا ہے۔

بعض نے عدل کو ظلم کی ضد قرار دیا ہے۔ (1) مقائیس اللغۃ نے عدل کا معنی صحیح راستہ اور سیدھا راستہ بیان کیا ہے۔ (2) تاج العروس میں ہے کہ اونٹ کے دونوں طرف جو بوجھ لادا جاتا ہے اور جو ایک دوسرے کے برابر ہوتا ہے ان سے ہر ایک کو "عدل" کہا جاتا ہے۔ (3) اس سے مساوی اور برابر کا معنی نکلتا ہے۔ عدل قائم کرنا "توازن" برقرار رکھنے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ (4)

چنانچہ قرآن حکیم میں ہے:

"الَّذِیْ خَلَقَکَ فَسَوّٰکَ فَعَدَلَکَ" (5)

علامہ علی نقی مرحوم نے اس کا ترجمہ یوں بیان کیا ہے:

یعنی: " جس نے تجھے خلق کیا تو تجھے سر تا پا درست بنایا، تیرے اعضا میں تناسب پیدا کی۔" (6)

اس سے مراد انسان کو متناسب الاعضاء رکھنا اور اس کے وجود میں تناسب و توازن قائم کرنا ہی ہے۔ "عدل" قرآن حکیم میں معاوضے یا زرتلافی کے معنی میں بھی آیا ہے۔ چنانچہ سورہ بقرہ میں ہے:

"وَاتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْئًا وَّلَا یُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا یُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ (7)

---

*۔ صدر نشین، البصیرہ، اسلام آباد

یعنی: " اس روز سے ڈرو جب کوئی دوسرے کا بدل نہ دے سکے گا اور نہ کسی کی سفارش چلے گی اور نہ کسی سے معاوضہ لیا جائے گا اور نہ انھیں مدد پہنچائی جا سکے گی۔"

بعض نے عدل کا "معنی فدیہ" لکھا ہے، (8) یہ بھی دراصل معاوضے اور زرتلافی ہی کے مفہوم میں ہے۔ عدل کا معنی اس سے بالکل برعکس بھی ہے۔ "عدل کرنا" پلٹ جانا، ترک کردینا یا چھوڑ دینا کے معنی میں آتا ہے۔ "عَدَلَ عن الطریق" یعنی وہ راستے سے ہٹ گیا۔ بعض اہل لغت کا کہنا ہے کہ "عن" کی وجہ سے یہ مفہوم پیدا ہوگیا ہے۔ (9)

مقائیس اللغہ اور صحاح اللغہ میں "قسط" کا معنی بھی عدل لکھا ہے۔ (10) قرآن حکیم میں بھی عدل اور قسط کو ساتھ ساتھ استعمال کیا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

"فَاَصۡلِحُوۡا بَيۡنَهُمَا بِالۡعَدۡلِ وَاَقۡسِطُوۡا" (11)

یعنی: " پس ان دونوں کے درمیان عدل سے صلح کروا دو اور قسط سے کام لو۔"

قسط کا معنی حصہ اور نصیب بھی کیا گیا ہے۔ (12) قسط کا معنی عدل کے برعکس اور ظلم وجور بھی کیا گیا ہے تاہم یہ مختلف معانی خود عبارت میں محل استعمال سے واضح ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن شریف میں ہے:

"وَاَنَّا مِنَّا الۡمُسۡلِمُوۡنَ وَمِنَّا الۡقٰسِطُوۡنَ" (13)

یعنی: " اور ہم میں سے کچھ فرمانبردار ہیں اور کچھ راہ حق سے بھٹکے ہوئے ہیں۔"

یہاں قاسطون راہ حق سے بھٹکے ہوؤں اور ظلم کرنے والوں کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ الفروق اللغہ میں ہے کہ جو واضح "عدل" ہو اسے "قسط" کہتے ہیں۔ اسی لیے پیمانے اور ترازو کو قسط کہتے ہیں چونکہ یہ وزن میں عدل کو واضح کردیتا ہے۔ (14)

قسط کے معنی کو واضح طور پر سمجھنے کے لیے قرآن حکیم کی یہ آیات دیکھیے:

"شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالۡمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الۡعِلۡمِ قَآئِمًا بِالۡقِسۡطِ" (15)

یعنی: " اللہ نے گواہی دی ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور فرشتوں اور اہل علم نے بھی یہی شہادت دی ہے۔ وہی عدل قائم کرنے والا ہے۔"

"لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا رُسُلَنَا بِالۡبَيِّنٰتِ وَاَنۡزَلۡنَا مَعَهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡمِيۡزَانَ لِيَقُوۡمَ النَّاسُ بِالۡقِسۡطِ" (16)

یعنی: " بتحقیق ہم نے رسولوں کو واضح نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ہمراہ کتاب اور میزان (عدل) کو (بھی) بھیجا تاکہ لوگ قسط (انصاف و عدالت) سے کام لیں۔"

"قُلۡ اَمَرَ رَبِّىۡ بِالۡقِسۡطِ" (17)

یعنی: " کہہ دو کہ میرے پروردگار نے عدل کا حکم دیا ہے۔"

اردو زبان میں کلمہ "انصاف" بھی عموماً اسی معنی میں استعمال ہوتا ہے جسے انگریزی میں Justice کہتے ہیں۔ "انصاف" "نصف" سے ہے۔ عربی زبان میں یہ لفظ عدل و قسط کا مترادف نہیں ہے۔ آدھا آدھا کرنے کو نصف کہتے ہیں۔ کبھی نصف نصف کرنا خارج میں عدل ہی کا تقاضا ہوتا ہے جیسے دو بھائیوں کے درمیان ماں یا باپ کی وراثت کو نصف نصف تقسیم کیا جاتا ہے لیکن ضروری نہیں کہ ہمیشہ نصف نصف کرنا عدل کا بھی تقاضا ہو۔

چور کی انگلیاں کاٹنا ایک مفہوم میں عدل ہو سکتا ہے لیکن انصاف نہیں۔ "نصف النہار" آدھے دن اور "نصف الطریق" آدھے راستے کو کہتے ہیں۔ قرآن حکیم میں "نصف" آدھے کے معنی میں ہے جیسے بیٹی کے لیے بیٹے کی نسبت آدھا حصہ بیان کرنے کے لیے کہا گیا ہے: "فَلَهَا النِّصْفُ" (18) لہٰذا پیش نظر مقالے میں ہمارا سروکار دو لفظوں سے ہے "عدل" اور "قسط"۔ تاہم عدل الٰہی کی کلامی بحث میں کلمہ "عدل" بروئے کار لایا جائے گا۔ اگرچہ ہم لکھ چکے ہیں کہ "عدل" قرآن حکیم میں "توازن" کے معنی میں بھی آیا ہے تاہم قرآن مجید میں خود لفظ میزان، وزن وغیرہ بھی اسی مفہوم میں آئے ہیں۔ مثلاً

"وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ۔" (19)

یعنی: "اور آسمان کو اس نے بلند کیا اور توازن قائم رکھنے کا اصول مقرر کیا۔"

"وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ"

یعنی: "اور ہم نے زمین کو پھیلایا اور اس میں پہاڑ ڈالے اور اس میں سے ہر طرح کی موزوں چیزیں اُگائیں۔" (20)

عدل کے مختلف معانی پر ایک نظر

مندرجہ بالا سطور سے ظاہر ہوتا ہے کہ عدل کے مختلف معانی ہیں اور مختلف مصادیق ہیں۔ زیر بحث موضوع کے حوالے سے یہ سوال بنیادی ہے کہ جب ہم کہتے ہیں کہ خدا عادل ہے تو اس سے کیا مراد ہے۔ "عدل" کے مختلف مصادیق کا جائزہ لیتے ہوئے ہم آگے بڑھیں گے۔ مقدماتی مسائل سے گزرے بغیر ہم "عدل الٰہی کے مفہوم کو واضح نہیں کر سکتے۔

کائنات اور اشیاء کا توازن

اس میں کوئی شک نہیں کہ پوری کائنات میں توازن و تناسب کا ایک نظام موجود ہے۔ ہر شے کی بقا کے لیے بھی اس میں موجود ایک طرح کے توازن کا قائم رہنا ضروری ہے۔ زمین کا سورج سے فاصلہ، زمین کا حجم، زمین کا قطر، زمین میں حیات، زمین کے موسم، مختلف اشیاء کا درجہ حرارت اور حسب ضرورت چیزوں میں نشوونما یہ سب کچھ ایک نظام متوازن کے سہارے قائم ہے۔ سورج اور زمین کے مابین فاصلہ بڑھ جانے کی صورت میں اس کا درجہ حرارت کم ہو جائے گا اور ہر چیز منجمد ہو کر رہ جائے گی اور حیات کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اسی طرح فاصلہ کم ہو جانے کی صورت میں ہر چیز شعلہ ور ہو جائے گی اور جل کر راکھ ہو جائے گی۔ یہی حال اس کے حجم کا ہے اس میں کمی بیشی کا تصور آتے ہی یہ بات کھل جاتی ہے کہ اس نظام کی بقا کے لیے اسی حجم کا باقی رہنا ضروری ہے۔

تاہم کائنات اور اس کی موجودات میں توازن کا ہونا ایسا موضوع ہے جس کا کوئی انکار نہیں کرتا۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کو نہیں مانتے وہ بھی اس کا انکار نہیں کر سکتے۔ لہٰذا زیر بحث موضوع "عدل الٰہی" اس معنی میں نہیں ہے۔ معاشرے میں توازن کا قائم رکھنا بھی ضروری ہے۔ معاشرے میں اختیارات کی تقسیم میں توازن، دولت اور وسائل کی تقسیم میں توازن، عمارتوں کی ساخت اور بلندی و پستی میں توازن سب کچھ مطلوب ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ معاشرے میں عدل قائم کرنے سے مراد ہر طرح کا توازن قائم کرنا ہے تو یہ غلط نہ ہوگا۔ توازن ہی حسن کا مظہر ہے اور عدم توازن قبح کو وجود بخشتا ہے۔

مساوات و برابری

جیسا کہ ہم نے لغت کی بحث میں دیکھا ہے عدل کا ایک معنی مساوات بھی ہے۔ البتہ مساوات ایک مقام پر درست اور پسندیدہ ہے تو دوسرے مقام پر ناپسندیدہ اور غلط ہے۔ مثلاً کسی ملک میں ایک قانون حکمرانوں اور عوام کے لیے مساوی ہو تو یہ عین عدل ہے۔ معاشرتی حوالے سے کہا جاتا ہے کہ قانون کا مساوی ہونا اور اس کے نفاذ میں مساوات کو ملحوظ رکھنا عدل ہے۔

اسی طرح استاد اپنے طالب علموں کو ایک طرح سے درس دیتا ہے، سب کی تعلیم و تربیت کا مساوی خیال رکھتا ہے تو یہ عدل ہے لیکن اگر امتحانات میں سب کو مساوی نمبر دیتا ہے تو یہ عدل نہیں ہے کیونکہ کسی نے اچھا اور صحیح جواب دیا ہے، کسی نے غلط اور کسی نے جواب ہی نہیں دیا۔ اس مرحلے میں عدل یہ ہے کہ سب کو مساوی نمبر نہ دیے جائیں بلکہ جو کسی کا حق ہے اس کے مطابق نمبر دیے جائیں۔ عدل الٰہی مساوی سلوک کرنے کے معنی میں نہیں ہے۔ کبھی مساوات توازن کو پیدا کرتی ہے اور کبھی عدل توازن کو اور اسی طرح کبھی مساوات عدل کے معنی پر پوری اترتی ہے اور کبھی ظلم کو جنم دیتی ہے۔

صاحب حق کو حق دینا

عدل کا ایک معنی صاحب حق کو اس کا حق دینا ہے۔ اس معنی میں عدل ظلم کے بالمقابل ہے۔ مندرجہ بالا مثال میں استاد کا سب طلبہ کو ایک جیسے نمبر دینا ظلم ہے۔ اس مفہوم میں عدل ہر صاحب حق کو اس کا حق دینے سے عبارت ہے اور ظلم خلاف حق کسی سے برتاؤ یا اسے کچھ دینے کے معنی میں ہے۔ ظلم حق سے تجاوز سے عبارت ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ٹوپی کا حق ہے کہ اسے سر پر رکھا جائے اور جوتے کا حق ہے کہ اسے پاؤں میں پہنا جائے۔ اگر اس کے برعکس کیا جائے یعنی ٹوپی پاؤں میں رکھی جائے اور جوتے کو سر پر تو یہ سراسر ظلم ہے۔

انسانی معاشرے میں بھی عدل اسی معنی میں پسندیدہ ہے۔ عدل اجتماعی کا بنیادی تصور اس مفہوم کو لیے ہوئے ہے۔ اسی لیے کمیونزم کے تصورِ مساوات پر مسلمان مفکرین تنقید کرتے ہیں اور وہ اس کے مقابلے میں عدل کا تصور پیش کرتے ہیں۔ قرآن حکیم میں جو عدل و قسط کو معاشرے میں قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہ اسی مفہوم میں ہے۔ عدل قائم کرنے کے حوالے سے فرمایا گیا ہے: ”اِعۡدِلُوۡا ھُوَ اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰی“ یعنی: ” عدل اختیار کرو کہ یہ تقویٰ کے نزدیک ترین ہے۔“ (21) ”وَاِذَا قُلۡتُمۡ فَاعۡدِلُوۡا وَلَوۡ کَانَ ذَا قُرۡبٰی“ یعنی: ” اور جب تم بات کرو تو عدل کے مطابق کرو اگرچہ (جس کے بارے میں بات ہو) وہ تمھارا عزیز ہی کیوں نہ ہو۔“ (22)

گویا حق و حقیقت کے مطابق بات کرنا بھی عدل ہے۔ گاہے حق اولویت بھی اسی مفہوم میں پیدا ہو جاتا ہے۔ مثلاً بزرگوں کے احترام کے حکم میں ماں باپ حق اولویت رکھتے ہیں۔ تعلیم و تربیت میں اولاد اور اپنے گھر والے حق اولویت رکھتے ہیں۔ اسی لیے قرآن حکیم میں فرمایا گیا ہے: ”قُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ وَاَھۡلِیۡکُمۡ نَارًا“ یعنی: ” اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو آگ سے بچاؤ۔“ (23)

حضرت ابراہیم مغفرت کی دعا کرتے ہوئے پہلے اپنے لیے، پھر والدین کے لیے اور پھر مومنین کے لیے طلب مغفرت کرتے ہیں۔ ” رَبَّنَا اغۡفِرۡلِیۡ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ یَوۡمَ یَقُوۡمُ الۡحِسَابُ“ یعنی: ’ ’ اے ہمارے پروردگار! مجھے، میرے والدین کو اور مومنین کو بخش دے جس روز حساب قائم ہو۔“ (24)

ہم جانتے ہیں کہ انبیاء اپنے سارے مخاطبین کے لیے بالخصوص اور ساری انسانیت کے لیے بالعموم آتش جہنم سے نجات کا پیغام لے کر آتے ہیں۔ اسی طرح سے اہل ایمان پر بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ عائد کیا گیا ہے۔ اس کے باوجود اس میں شک نہیں کہ سب سے پہلے انسان کی اپنی ذات اس پیغام کو قبول کرنے کا استحقاق رکھتی ہے اور پھر جو جتنا قریب ہے اس تک یہ پیغام پہنچنا چاہیے۔ اسی طرح حضرت ابراہیمؑ اگرچہ تیسرے مرحلے میں مومنین کے لیے عمومی دعائے مغفرت کرتے ہیں لیکن پہلے مرحلے میں اپنے لیے اور دوسرے مرحلے میں والدین کے لیے طلب مغفرت کرتے ہیں۔ ان آیات سے اولویت کا مفہوم اخذ کیا جا سکتا ہے۔

عدل اجتماعی کے حوالے سے ہم جانتے ہیں کہ بنیادی طور پر اس کے مطابق انسانوں سے تقاضا کیا جاتا ہے کہ انھیں یہ کام کرنا چاہیے اور یہ کام نہیں کرنا چاہیے، قانون ایسا ہونا چاہیے اور ایسا نہیں ہونا چاہیے، قانون پر یوں عمل ہونا چاہیے اور یوں عمل نہیں ہونا چاہیے یا معاشرے کی یہ ضرورت ہے اور یہ ضرورت نہیں ہے۔ ایسا کرنا معاشرے کے لیے اچھا ہے اور ایسا کرنا اچھا نہیں ہے۔ ظاہر ہے یہ ساری باتیں حق تعالیٰ کے لیے درست نہیں ہیں۔ عدل کے ان معانی پر پروردگار کے حوالے سے تبصرہ کرتے ہوئے استاد مطہریؒ نے اپنی کتاب عدل الٰہی میں جو کچھ بیان کیا ہے اس کا خلاصہ کچھ یوں ہے:

"جیسا کہ ہم نے دیکھا کہ عدل کے مذکورہ بالا معنی ایک طرف تو اولویت و فوقیت کی بنیاد پر استوار ہیں تو دوسری طرف انسان کی ذاتی خصوصیات اس کی اساس قرار پاتی ہیں، جس کے مطابق انسان چند "اعتباری و قرار دادی مفاہیم" کو استعمال کرنے پر مجبور ہے۔ نیز "ہونا چاہیے" اور "نہیں ہونا چاہیے" جیسے مفاہیم بھی اسے بنانے پڑتے ہیں اور اسی مقام پر انسان حسن و قبح جیسے مفاہیم کو اخذ و انتزاع کرتا ہے۔ مندرجہ بالا تمام نکات اور فکری مراحل ذہن انسانی سے مخصوص ہیں، ذات حق تعالیٰ میں ان کا کوئی وجود نہیں، کیونکہ وہ مالک علی الاطلاق ہے، کوئی بھی شے اس کے مقابلے میں کسی بھی شے پر کسی بھی قسم کی فوقیت یا اولویت نہیں رکھتی۔

جس طرح سے وہ مالک علی الاطلاق ہے اسی طرح سے اولیٰ علی الاطلاق بھی ہے۔ اس کا ہر چیز میں ہر طرح کا دخل و تصرف، اس چیز میں دخل و تصرف ہے جس کی تمام تر ہستی کا دارومدار اسی پر ہے اور بلا شرکت غیرے اس کی ملکیت میں ہے۔ بنابر ایں، اس معنی میں ظلم یعنی دوسروں کی اولویت و فوقیت کو پامال کرنا، ان کے حق میں تصرف کرنا اور ان کے دائرہ اختیار میں قدم رکھنا کہلائے گا۔ لہٰذا ظلم کے مذکورہ بالا مفاہیم کا تصور، خدا کے بارے میں یکسر ناممکن ہے کیونکہ یہ مفاہیم خدا کے افعال پر صادق آہی نہیں سکتے اور ذات پروردگار کا کوئی بھی فعل اس طرح کے ظلم کا مصداق واقع ہو ہی نہیں سکتا۔"

البتہ ہم کہہ چکے ہیں کہ تخلیق کائنات میں توازن کا موجود ہونا ایک حقیقت ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ تناسب اور توازن خود اپنی تخلیق میں رکھا ہے، انسان کی ذات میں یہ توازن رکھا ہے اور کائنات کے اندر بھی یہ توازن موجود ہے۔ جیسا کہ توازن کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے مندرجہ بالا سطور میں چند ایک آیات بھی پیش کی گئی ہیں۔ یہاں عدل کے مفہوم میں جس چیز سے اللہ تعالیٰ کی نفی کی گئی ہے اس میں کائنات اور مخلوقات میں موجود توازن کا مفہوم شامل نہیں ہے۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ عدل الٰہی کا مفہوم اس سے وسیع تر ہے۔ اب یہ سوال سامنے آتا ہے کہ پھر جب ہم کہتے ہیں کہ اللہ عادل ہے تو اس سے ہماری مراد کیا ہے۔ اس سلسلے میں استاد مرتضٰی مطہری نے بہت عمدہ کلام کیا ہے ہم ان کی چند سطور پیش کرتے ہیں:

"رعایت استحقاقها درافاضۂ وجود وامتناع نکردن از افاضه ورحمت به آنچه امکان وجود یا کمال وجود دارد--- هر موجودی در هرمرتبه ای هست از نظر قابلیت استفاضه، استحقاقی خاص به خود دارد- ذات مقدس حق که کمال مطلق و خبر مطلق و فیاض علی الاطلاق است- به هر موجودی آنچه را که برای او ممکن است از وجود و کمال وجود، اعطامی کند و امساك نمی نماید- عدل الـهی در نظام تکوین، طبق این نظریه، یعنی هرموجودی، هر درجه از وجود و کمال وجود که استحقاق و امکان آن را دارد در یافت می کند-

ظلم یعنی منع فیض وامساك جود از وجودی که استحقاق دارد-

از نظر حکمای الـهی، صفت عدل آنچنانکه لایق ذات پروردگار است و بعنوان یک صفت کمال برای ذات احدیت اثبات می شود به این معنی است، وصفت ظلم که نقص است و از اوسلب می گردد نیز به همین معنی است که اشاره شد-" ([25])

یعنی: "عدل الٰہی سے مراد ہے افاضۂ وجود کے سلسلے میں استحقاقات کا خیال رکھنا اور اس موجود سے فیض و رحمت کی ممانعت اور دریغ نہ کرنا کہ جس کا وجود میں آنا یا کمال وجود تک پہنچنا ممکن ہو۔ فیض حاصل کرنے کی قابلیت کے لحاظ سے ہر موجود وہ کسی بھی مرتبے پر ہو

ایک خاص استحقاق رکھتا ہے۔ ذات مقدس حق جو کمال مطلق، خیر مطلق اور فیاض علی الاطلاق ہے۔ وہ ہر موجود کو جو کچھ بھی اس کے لیے وجود اور کمال وجود کے لحاظ سے ممکن ہے عطا کرتا ہے اور اس کے عطا میں دریغ نہیں کرتا۔

عدل الٰہی کے اس نظریے کے مطابق نظام تکوین میں ہر موجود وہ جس درجے پر بھی ہو وجود اور کمال وجود کے لحاظ سے جو بھی استحقاق اور امکان رکھتا ہو اسے پالیتا ہے۔ لہٰذا ظلم یعنی کسی وجود سے اس کے مستحق فیض کو روک لینا اور جود و بخشش کے بجائے، عطا کرنے میں بخل سے کام لینا۔ حکمائے الٰہی کی

نظر میں پرورد گار عالم کے شایان شان صفت عدل جو ذات یکتا کے لیے بطور صفت کمال ثابت ہے، اسی معنی میں ہے اور ظلم جو کہ ایک نقص ہے اور صفات سلبیہ میں سے ہے مذکورہ بالا معنی میں ہے۔"

*****

حوالہ جات

1۔ صحاح اللغۃ، ع دل کے مادہ میں

2۔ابن فارس: مقائیس اللغۃ، ع دل کے مادہ میں

3۔ محب الدین ابن الفیض: تاج العروس، ع دل کے مادہ میں

4۔ محب الدین ابن الفیض: تاج العروس، ع دل کے مادہ میں

5۔انفطار: ۷

6۔قرآن کریم: ترجمہ علامہ سید علی نقی نقوی (ہنگو جامعۃ القائم للبنات، ۲۰۰۸ء) ص، ۸۲۷

7۔ بقرہ: ۴۸

8۔ابن فارس: مقائیس اللغۃ، ع دل کے مادہ میں

9۔ محیط، ع دل کے مادہ میں

10۔ع دل کے مادہ میں

11۔ حجرات: ۹

12۔ مقائیس اللغۃ، صحاح اللغۃ اور تاج العروس، ق س ط کے مادہ میں

13۔ جن: ۱۴

14۔الفروق اللغۃ

15۔آل عمران: ۱۸

16۔الحدید: ۲۵

17۔اعراف: ۲۹

18۔نساء: ۱۱

19۔ رحمٰن: ۷

20۔ حجر: ۱۹

21۔مائدہ: ۷

22۔انعام: ۱۵۲

23۔ تحریم: ۲

24۔ابراہیم: ۴۱

25۔ مطہری، مرتضیٰ: عدل الٰہی (تہران انتشارات صدرا) ص ۵۷ و ۵۸